

چند اعتراضات اور ان کے جوابات

(ابوالاعلیٰ مودودی)

ایک صاحب نے ایک طویل مکتوب کی شکل میں مدیر ترجمان کی بعض تحریروں پر اعتراضات وارد کیے تھے۔ مدیر ترجمان نے ان کا مفصل جواب دیا ہے۔ انادہ عام کی خاطر سوالات و جوابات کو ترجمان میں شائع کیا جا رہا ہے۔

راقم عرضہ کافی عرصہ سے آپ کی مصنوعات کا یک جہتی سے مطالعہ کر رہا ہے چند شبہات ایسے واقع ہوئے کہ باوجود کافی حسن ظن کے دل میں بے حد خلجان پیدا کر رہے ہیں۔ عثمانیہ جماعت سے بالمشاذ کئی مرتبہ گفتگو ہوئی لیکن بجائے ازالہ اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں غلصین کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ براہ راست جناب سے استفادہ کیا جائے لہذا جناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل کا تشفی بخش جواب تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔ اگر مناسب خیال فرمادیں تو ترجمان میں شائع فرمادیں تاکہ فائدہ عام ہو جائے۔

(۱) تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۱۷۷۔ اس مقام پر جان لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ فتح مکہ کے بعد دو اسلامی کا پہلا حج ۶۱۰ء میں قدیم طریقہ پر ہوا پھر ۶۱۱ء میں دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر کیا مشرکین نے اپنے طریقہ پر اس کے بعد تیسرا حج ۶۱۲ء میں خالص اسلامی طریقہ پر ہوا۔ ۶۱۳ء میں کون سے صحابہ حج کو تشریف لے گئے؟ حج کی فرضیت کس سنہ میں ہوئی؟ حج کی فرضیت کے ساتھ احکام نہ تھے؟ حضرت نے عازمین حج کو کوئی ہدایات

نہ دے؟ ۱۔ ۱۰۰ میں حدیث کی زیر قیادت اسلامی طریقہ کو چھوڑ کر اپنے طریقہ پر کیسے حج کی؟ پھر حضرت نے صحابہ کو غیر اسلامی طریق پر حج کرنے پر کوئی تنبیہ نہ فرمائی؟ قدیم طریقے میں سنگے طواف ہوتا تھا کیا صحابہ نے بھی ایسا کیا؟ ہر ایک جزو کا تفصیلی جواب تحریر فرمادیں۔

۲۔ تفسیم القرآن ج ۲ سورہ یونس، جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں۔ کیا انبیاء معصوم نہیں ہوتے؟ خصوصاً فریضہ رسالت میں انبیاء سے کوتاہی کیسے ممکن ہے؟ **كُلُّ نَفْسٍ عَلَيْنَا لَغْصَ الْاَلَا قَا وِجِلٍ لَّا خُذْنَا مِنِّهٖ بِالْاَيْمٰنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنِّهٖ الْاَوْتَيْنِ** فریضہ رسالت کی عدم کوتاہی میں تصریح نہیں؟ اگر نبی سے فریضہ رسالت میں بھی کوتاہی ممکن ہو سکتی ہے تو پھر دین خداوندی کا کیا بیج جاتا ہے؟ کیا یہ مضمون موسیٰ تک انبیاء نہیں؟

۳۔ ترجمان انور نومبر ۱۹۵۵ء میں جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ احکام منسوخہ پر اب بھی عمل جائز ہے اگر معاشرہ کو اپنی ضروریات سے سابقہ ہو جائے۔ اگر احکام شائخ نے منسوخ فرمائے ہیں تو پھر ان احکام کو شروع کرنے والا کونسا شائخ ہوگا؟ اگر ہر ذی علم کو اس ترمیم و تیسخ کا حق دیا جائے جب کہ اعجاب کل ذی رائی برائے کا دور دورہ ہے تو کیا یہ تلقب بالذین نہ ہوگا؟ آیا احکام منسوخہ میں تعمیم ہے یا تخصیص؟ محرمات اب پھر حلال ہو سکتے ہیں یا حلال شدہ احکام اب پھر منسوخ ہو سکتے ہیں؟ مہربانی فرما کر وسعت سے بحث فرمادیں کیونکہ یہ بنیادی امور سے متعلق ہے۔

ترجمان ربیع الاول ۱۹۵۵ء حضرت آدم جس جنت میں تھے وہ زمین پر تھی

اگر جنت زمین پر تھی تو اھبطوا کیوں فرمایا؟ اخرجوا زیادہ مناسب نہ تھا؟ **وَلَا كُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَصَاعِ الْاِحْبَابِ**۔ جب پہلے ہی زمین مستقر تھی تو پھر دوبارہ استقرار کیا معنی؟ نیز جنت کا قرآنی تصور تو یہ ہے **عَرْضُهَا السَّمٰوٰتِ**

والارض پھر اس کا تحقق فی الارض کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ انہی لغشی السد و ما یغشی
عندھا جنة الماوی۔ کیا سدرۃ المنتہی بھی زمین تھا؟ بالفرض اگر زمین پر جنت تھی
تو اب کہاں ہے؟ کیوں نہ کسی طیارے سے ہم اڑ کر وہاں پہنچ جائیں؟ اگر اڑاؤ ہی گئی ہے
تو کیوں اور کیا ثبوت؟

۵۔ تفہیمات ج ۲ ص ۴۳۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ بہر نبی سے کسی نہ
کسی وقت حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دیں۔ کیا انبیاء تو ہم معاصی سے
معصوم نہیں؟ اگر نبی سے نبوت کے ہوتے ہوئے عصمت اٹھ سکتی ہے تو اس کی نبوت
و تعلیمات نبوت پر کیسے کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ ہر اہم مقام پر شبہ ہو سکتا ہے کہ
ممکن ہے کہ یہ وہی مقام ہو جہاں نبی سے عصمت اٹھ چکی ہو۔ اس کی کیسے حد بندی ہوگی؟
بالتفصیل بحث فرمادیں جزا کما اللہ احسن الجزاء

۶۔ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۲۱۔ پس جو چیز قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے وہ
یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت
کی تصریح سے بھی۔ کیا یہ مسئلہ قرآنی لحاظ سے مجمل ہے؟ ما قتلوا و ما صلیوا میں اگر
قتل جسم کی تصریح ہے تو اسی ایک جملہ کے ایک جزو قطعہ میں کونسا اجمال آگیا؟ بصورت دیگر
انتشار ضما تر لازم نہ آئے گا جو معیوب ہے، یہاں رفع جسم سے کونسا قرینہ مانع ہے جبکہ
احادیث رفع جسمانی ہی حمایت کر رہی ہیں تو یہاں کیوں رفع جسم مراد نہ ہو؟ پھر اجماع امت
بھی اس پر منعقد ہو چکا ہے تو کیا وجہ ہے کہ متفق علیہ مسئلہ کو قرآن کے روح کے
لحاظ سے مجمل کہہ کر مشتبہ بنایا جائے؟ پھر الفاظ بھی ایسے مؤکد کہ قرآن کی روح سے
زیادہ مطابقت۔

۷۔ تفہیمات حصہ دوم ص ۲۸۹۔ اقامت حدود میں وقت کے حالات اور ملزم کے حالات
کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ زمانہ جنگ میں حدود وقت رکھی جاتی ہے۔ تحفظ کے زمانہ میں

چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے۔ ہر بانی فرما کر اس مسئلہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں ملل بیان فرمادیں۔ حضرت سعد کا واقعہ حدود اللہ کو توڑنے چھوڑنے کے لیے قطعاً نا کافی ہے۔ انھوں نے کتاب و سنت سے کوئی مستحکم دلیل بیان نہیں کی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا حضرت حاطب کے غلاموں کو چھوڑ دینا اور حاطب سے عوض دلوانا بھی نوعیت جرم کی بدل ہوئی کیفیت پر دلالت کرتا ہے ورنہ مجرموں کو چھوڑ کر غیر مجرم انسان سے عوض دلوانا کیا معنی۔ یقیناً حضرت عمرؓ کے ذہن میں جرم کی نوعیت کچھ سرقہ کی سی نہ ہوگی بلکہ غصب کی سی ہوگی جس کی بخان ان کے مولیٰ سے لی گئی۔ ہر بانی فرما کر اس مسئلہ میں کتاب و سنت کے مستحکم دلائل بیان فرما کر مشکور کریں

۸۔ حضرت حوا کی پیدائش کے متعلق تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۱۹ میں جناب نے تصریح کی ہے کہ آدم کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ حدیث بخاری خلقت من ضلع آدم کا کیا جواب ہوگا۔

۹۔ تفہیم القرآن جلد اول ص ۸۳۔ کوہ طور کے اٹھائے جانے میں جناب نے محققین مفسرین سے کیوں اختلاف فرمایا ہے؟ اس قول میں کیا قباحت ہے؟ اذ تقینا الجبل فوقفہ کا اندھ ظنہ۔ لفظ تنق کس طرف اشارہ کر رہا ہے؟ پھر ظنہ کیسے آپ کی تفسیر پھاڑتا آتا ہے۔ نیز حیب کہ تلمود اور بائبل کی روایات بھی اسی قول کی تصدیق کر رہی ہیں۔ اسی طرح لفظ رفعا اور پھر فوقکم کا صریح مفہوم بھی آپ کی تفسیر کا انکار کر رہا ہے۔ نیز اگر حقیقت رفع مفعول نہ تھی اور صرف تخیل رفع مفعول تھا تو اس کی تصریح سے کونسا امر مانع تھا جب کہ قرآن مجید کی عادیہ سترہ ایسی ہے کہ ایسے مقام پر صاف تصریح کر دیتا ہے۔ واقعہ یقلاً ہم فی اخیئناکم و یقلاً ہم فی اعیینہم۔ جب حقیقت قلت و کثرت مفعول نہ تھی تو وائسگاف الفاظ میں بیان فرمادیا۔ اسی طرح

نہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ صحابہ پر تنقید کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ خود بے تکلف ان پر تنقید کرتے ہیں۔ کتاب و سنت کی دلیل کے بغیر حدود اللہ کے توڑنے چھوڑنے کا یہ الزام جو حضرت سعد پر لگایا گیا ہے، تنقید کی حد سے گزر کر طعن کی حد تک پہنچ جاتا ہے، مگر علماء کہہ رہے ہیں کہ سب کچھ جائز ہے۔ (ترجمان)

وینیل بالیہ من سحرہم انہا تسحر۔ جب اجماع امت بھی اس پر مستعد ہو چکا ہے تو کیا وجہ ہے ایک متفق علیہ مسئلہ کو محمل کہہ کر مشتبہ بنایا جاوے۔ پھر لفاظ بھی ایسے مرکب کہ قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت۔

۱۰۔ رسائل و مسائل جلد اول ص ۶۷۔ مہدی پر بحث فرماتے ہوئے جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ جو مسئلہ بھی دین میں ایسی نوعیت رکھتا ہو اس کا ثبوت لازماً قرآن ہی سے منہا چاہیے۔ مجرد حدیث پر ایسی کسی چیز کی بنا نہیں رکھی جاسکتی جسے مدار کفر و ایمان قرار دیا جائے۔ احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے تو گمان صحت نہ علم یقین۔ یہ فائدہ کلیہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کیا اس سے خطرہ میں نہیں پڑ جاتے؟ کیا تعدد رکعات و سجود و صلوات کی ہیئتہ کذا نہیہ جو قرآن میں مصرح نہیں ان کے انکار سے کفر لازم نہ آئے گا؟

۱۱۔ آیت رجم کے متعلق جناب نے جو بحث ترجمان میں فرمائی ہے آپ نے اس کے ثبوت میں تامل فرمایا ہے۔ حالانکہ بخاری شریف نوکر اور سیدہ کے زنا کے معاملہ میں لڑکے کے والد کا حضور کو عرض کرنا انشداً باللہ الا قضیت بیننا بکتاب اللہ اور حضور کا فرمانا والذی نفسی بید کا لا قضیت بینکما بکتاب اللہ ان دونوں قسموں کے بعد کونسا استنباہ رہ جاتا ہے؟ کیا حضور کی قسم ہمارے یقین کے لیے نا کافی ہے؟ یا بخاری کی احادیث کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے؟ پھر فاروق اعظم سے خطبہ نکاح منما انزل اللہ آیت الرجم فصرناھا و عقلناھا و عیناھا سے ہمیں یہ توقع ہو سکتی ہے کہ یوم الجمعہ مسجد میں فقہاء صحابہ کی موجودگی میں کتاب اللہ و رسول اللہ پر افتراء رکھتے ہیں؟ بصورت دیگر نعوذ باللہ جو صحابہ موجود تھے وہ سب حرارت ایمانی سے خالی ہو چکے تھے۔ ایک نے بھی نہ ٹوکا۔ جو ایک تمیص کے ٹکڑے پر عمر کو اسی منبر پر ٹوک سکتے ہیں کتاب اللہ پر افتراء میں نہ ٹوک سکے۔ یا قرآن سے ایک تمیص کا ٹکڑا زیادہ قیمتی تھا؟

آپ کا یہ فرمان کہ عمر کے اس قول پر اجماع منعقد نہیں ہوا اس لیے کہ سب صحابہ کی موجودگی یقینی نہیں، کیا صحابہ صلوٰۃ جمعہ سے بھی غیر حاضر کر تے تھے؟ حضرت عبدالرحمن کا فرمانا فا تھا: اوالہجرة والسنة فتخاص باهل الفقه واشتراف الناس صاف تصریح نہیں؟ ان دنوں فقہاء صحابہ مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ بالفرض اگر تمام موجود نہ تھے کیا موجود حضرات نے غیر موجود حضرات سے اس مسئلہ کی تصدیق، یا تکذیب کسی نے نہ کرائی؟ اگر واقعی صحابہ کا کتاب اللہ کے ساتھ یہی تسہل و تعاضل رہا ہے اور کتاب اللہ میں کمی بیشی ہوتی رہی تو روافض بالکل حق بجانب ہیں۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کو کتاب و سنت سے مدلل بیان فرمادیں۔ حضور کی قسم اور عمر کا تشدید خطبہ، حدیث بخاری کے مقابل کوئی قوی دلیل چاہیے کسی مفسر و مجتہد کا قول مشکل سے مقابل ہو سکے گا۔

۱۲۔ ترجمان القرآن ربیع الثانی ۱۳۵۵ء میں جناب نے حضرت صدیق کی بندش کفالتِ سطح کو غیر اسلامی حیثیت سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیا صدیق کا نبوت سے صرف بیٹھی ہی کا تعلق تھا؟ یا بغض اگر حضرت کے کسی دوسرے حرم پر یہ بیان ہوتا تو کیا حضرت صدیق کو غیرت نہ آتی؟ کیا وہاں انحب لله والبغض فی اللہ کا جذبہ کا فرمانہ تھا؟ لایاتل اولوا الفضل سے استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہاں صرف کفالت کا کھونا نہایت نرم لہجہ میں مقصود تھا، چنانچہ لفظ اولوا الفضل والسعة کا اور پھر الا تحبون ان لبغض اللہ بکلمہ سے ان کے پاکیزہ جذبات سے معافی کی اپیل ہے، اس میں عتاب کی بوجہ نہیں اس کو وعید تصور کرنا ہمارا کھجور سے بانا تر ہے۔ علاوہ ازیں یہاں کفالت کی طرف تعریض کیا گیا ہے بندش کفالت سے اصل محرکات کو نہیں چھیدا گیا، جس کو آپ نے غیر اسلامی حیثیت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر یہ محرکات غیر اسلامی ہوتے تو ان یوتوا ولی القرین کے بجائے انہی محرکات کا اپرٹین ہوتا۔ واللہ لایستحی من الحق۔ منع فساد کو چھوڑ کر ساتوں کا السداد قرآن کی

حکیمانہ شان سے بعید ہے۔ کفالت تو ان الفاظ سے کھل گئی، لیکن یہ منبع فساد غیر اسلامی حمیت تو ان کے دل میں ویسے ہی حکم رہی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق اسی ترجمان ربیع الاول ۳۵ھ میں جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ غالباً یہی شخصی غنط کا تخیل تھا جس نے اضطراری طور پر حضرت عمرؓ کو تھوڑی دیر کے لیے مغلوب کر دیا۔ کیابنی کی شخصیت اور اس کی غنط کا تخیل اسلام میں ممنوع ہے واللہ لا یؤمن احدکم شیءاً کون احب ابیہ الحدیث کا کیا معنی۔ باقی رہا قانون ربانی کے مقابلہ میں نبوت پرستی یا شخصیت پرستی تو محبوب عالم کی زندگی میں تو عمرؓ شخصیت پرست نہ تھے، بعد از انتقال یہ شخصیت پرستی کہاں سے ان کے دل میں گھس گئی؟ اساری بدر۔ صلح حدیبیہ۔ مسئلہ حجاب۔ رئیس المنافقین کا جنازہ وغیرہ لا تعداد واقعات موجود ہیں۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین مہینوں کے متعلق یہیں کس حد تک سوءظن جائز ہے؟ کیا ان حضرات کے افعال کی ان توجیہات کے علاوہ اور توجیہ ناممکن تھی؟ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذن وہم غرضاً بعدی فمن احبهم فلیجی احبهم ومن بغضهم فلیبغضنی البغض لہم اور اصحابی کالجزم بادیہم اقتلہم یتم کا کیا مقصد ہوگا؟

۱۳۔ کیا آپ محصوم عن النظر ہیں؟ اگر نہیں تو کیا آپ کے اجتہادات پر تنقید جائز ہے؟ اگر آپ تنقید سے بالاتر نہیں تو تنقید کرنے والے علماء پر کیوں طعن کیا جاتا ہے؟ اگر اسلام کی تعلیمات کی تعبیر کا حق صرف جماعت کے علماء کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو اسلامی علوم کو ترقی کے بجائے رکاوٹ بن ہوگی؟ امرانہ رجحانات ترقی پذیر نہ ہوں گے؟ کیا موجودہ اختلاف حبیہ کہ دیانتداری پر مبنی ہو اختلاف امتی رحمتہ نہ ہوگا؟ انہی اختلافات میں مختلف ذہنی صلاحیتوں کے جو اہر منظر عام پر نہ آجائیں گے جن سے امت کو فائدہ پہنچتا رہا ہے اور رہے گا؟

۱۴۔ کیا صحابہ کرام پر تنقید جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو حدیث اللہ فی اصحابی اور

۱۵۔ صرف اس حد تک کہ وہ کتاب و سنت کی دلیل کے بغیر حدود اللہ کو توڑنے کی چھوڑتے تھے؟ ترجمان

اصحابی کا لہجہ یا یہم اقتدا یتما اھتد یتما کا کیا جواب ہوگا؟

جواب: آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کہ میری تحریروں کے متعلق جو شکوک اور شبہات بعض لوگ جان بوجھ کر دلوں میں ڈال رہے ہیں ان کو صاف کرنے کے لیے میری طرف رجوع کرنا تو بلاشبہ ایک درست طریقہ ہے، مگر تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے خود بھی تحقیق کی کوشش کر لیا کریں تاکہ جس الجھن کو وہ تھوڑا سا وقت صرف کر کے خود رفع کر سکتے ہوں اس کے لیے خواہ مخواہ خط و کتابت کی زحمت میں نہ پڑیں۔ اصحابِ فتنہ کے لیے تو اب کوئی کرنے کا کام اس کے سوا باقی نہیں رہا ہے کہ وہ میری تحریروں میں کیڑے چنتے پھریں اور جگہ جگہ انہیں پھیلا کر لوگوں کے دماغوں میں الجھنیں پیدا کیا کریں۔ مگر میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے کام چھوڑ چھاڑ کر بس ان الجھنوں ہی کو صاف کرنے میں لگا رہوں جو ان حضرات نے پیدا کی ہیں۔ آپ براہ کرم خود غور کریں کہ ان حضرات کی انگلیخت سے ۱۴ سوالات تو تمہا اپنے فرمائے ہیں، اور ایسے سوالات کرنے والے اکیلے آپ نہیں ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کے ہر گوشے سے اس طرح کے سوالات آتے دن میرے پاس آتے رہتے ہیں، کیونکہ سارے بزرگ عظیم میں فتنہ پردازوں کا ایک پورا طائفہ ان سوالات کی فصیح بونے میں لگا ہوا ہے۔ اب کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ حضرات اپنی عمر عزیز اس فضول کام میں ضائع کر رہے ہیں، اسی طرح میں بھی ان کے پیدا کردہ سوالات کی جواب دہی میں اپنی عمر عزیز ضائع کر دوں؟

اب آپ کے سوالات کا جواب سلسلہ وار حاضر ہے :

(۱) اس عبارت کا منشا سمجھنے میں آپ کو کسی قسم کی وقت نہ پیش آتی اگر معترضین نے آپ کے دل کو شک و شبہ کی بیماری نہ لگادی ہوتی، اور آپ خود بھی کچھ عقل سے کام لیتے۔ عبارت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد پہلا حج سہ ماہی میں قدیم طریقے پر ہوا۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے یہ حج قدیم طریقے پر کیا؟ پھر وہ سوالات جو اس عبارت پر آپ نے کیے ہیں آخر کہاں سے پیدا ہوئے؟ آپ سیرتِ پاک کے موضوع پر کوئی کتاب بھی اٹھا کر دیکھتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ مکہ معظمہ رمضان ۱۱ھ میں

فتح ہوا۔ دوسرے ہی مہینے حنین اور طائف کے معرکے پیش آئے جن سے ذی القعدہ ۶ھ کے وسط میں حضور فارغ ہوئے اور عمرہ کر کے حج کیے بغیر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینے واپس تشریف لے گئے۔ اُس وقت یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حج کے قدیم طریقے کو، جو صدیوں سے زمانہ جاہلیت میں رواج پاچکا تھا، اور جس کے مطابق حج کرنے کے لیے ہزاروں لاکھوں مشرکین مکہ میں جمع ہو چکے تھے یا عنقریب جمع ہونے والے تھے، یک لخت بدل ڈالا جاتا۔ اگر اُس وقت ایسا کیا جاتا تو حنین کے معرکہ سے کئی گنا زیادہ شدید معرکہ مسجد الحرام کے حدود میں پیش آجاتا۔ اس لیے اُس سال جاہلیت کے طریقوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا اور حج جس طرح پہلے ہوتا تھا اسی طرح ہونے دیا گیا۔

دوسرے سال ۹ھ میں آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو حج کے موقع پر بھیجا اور اعلان کر دیا کہ لا یحجبن بعد عامنا هذا مشرک ولا یطوفن بالبيت حریمات۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے اور نہ کوئی شخص برہنہ طواف کرے۔ یہ اعلان قرآن مجید کے اس حکم کی بنیاد پر تھا کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ لَعِبَةٍ عَامِلِهِمْ هَذَا (التوبہ رکوع ۲۴)۔ مشرکین تو نجس ہیں، لہذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئے پائیں۔ تیسرے سال ۱۰ھ میں اس حکم کی تعمیل کی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کر حج کے خالص اسلامی طریقے کو ہمیشہ کے لیے قائم فرما دیا۔

آپ کا یہ سوال کہ حج کس سال فرض ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محققین کے نزدیک وہ ۹ھ کے آخر، یا ۱۰ھ کے آغاز میں فرض ہوا ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں نبی عبد القیس کے وفد کی حاضری کا جو قریبہ آیا ہے اُس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام بیان کرتے ہوئے صرف چار ارکان کا ذکر فرمایا ہے، حج کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ وفد بالاتفاق ۹ھ میں مغزودہ تبوک کے بعد حاضر ہوا تھا (تراجم المعاد، جلد اول صفحہ ۲۵۶۔ جلد دوم صفحہ ۳۴ - ۳۹)۔ لیکن چونکہ اُس سال

۱۰ھ یہ صرف تاریخی واقعات سے میرا تئناظ ہی نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم ترین سیرت نگار ابن ہشام نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ وہ ۱۰ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "وَجاء الناس تلوک السنۃ علی ما كانت العرب تعج علیہ اس سال لوگوں نے اسی طریقے پر حج کیا جس پر اہل عرب کیا کرتے تھے (جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)۔"

جاہلیت کے رواج نس کی وجہ سے حج ذی القعدہ میں پڑتا تھا، اور مشرکین کے ساتھ حج کرنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہ تھا، اس لیے آپ خود حج کے لیے تشریف نہ لے گئے اور حضرت ابوبکر و علی کو بھیجا تاکہ جاہلیت کے طریقوں کی تینخ کا اعلان فرمادیں۔ حج کے اسلامی احکام کی تشریح و توضیح اور علی تعلیم سلسلہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ہی ہوئی ہے۔

(۲) اس اعتراض کا جواب خود دینے کے بجائے میں قرآن ہی سے دلوانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر حضرت یونس کا قصہ آیا ہے۔ براہ کرم ان سب کو پڑھ لیجیے۔

سورہ یونس میں ہے :

نَلَّوْا لَكَانَتْ قَرْيَةً اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا
اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَهُمْ لَبَّسُوْا لَهَا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَمَتَّعْنَاهُمْ اِلٰى حَبِيْنٍ (آیت ۹۸)

پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی سبب جو عذاب دیکھ کر ایمان لاتی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے نافع ہوا ہو؟ سوائے یونس کی قوم کے کہ جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے سوزنی کا عذاب ہٹا دیا اور ان کو ایک قریب تک سامانِ زندگی دیا۔

سورہ انبیاء میں ہے :

وَذَٰلِكَ الَّذِي اِذَا دَخَلَ مَعْاَصِبًا فَظَنَّ اَنْ
لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الْظُلْمِ اَنْ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۸۷)

اور سہارا کرو مچھلی والے (یونس) کو جب کہ وہ خفا ہو کر چل دیا اور سمجھا کہ (اس چلے جانے پر) ہم گرفت نہ کریں گے۔ پس وہ پکارا اٹھاتا کیوں میں کہ تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تو بے عیب ہے، بے شک میں قصور وار ہوں۔

سورہ صافات میں ہے :

وَ اِنَّ يُّوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِذَا ابْتِغٰى
اَنْفَاكِ الْمَشْحُوْرِيْنَ نَسَاهُمْ فَاَنْتَ مِنْ
الْمُدْرِكِيْنَ فَالتَّقْمَةُ الْكُوْتُ وَهُوَ مَلِيْمٌ

اور بے شک یونس رسولوں میں سے تھا جس وقت بھاگ گیا وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف تو قرعہ ڈالتے ہیں (اہل کشتی کے ساتھ) شریک ہوا اور وہی ملزم پھیرا۔ پھر نکل لیا اس کو مچھلی نے اور وہ

فَلَوْلَا اِنَّهُ صَكَاتٍ مِنَ الْمَسْبُوحِيْنَ
لَلْبَيْتِ فِي بَطْنِهَا يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ

(آیت ۱۳۹ - ۱۴۲)

سورہ قلم میں ہے :

فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ
الْخُوْتِ اِذَا نَادَى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ وَلَا
اَنْ تَدَادِكُمْ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنْبَذَ
بِالْعَرَاوِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (آیت ۴۸ - ۴۹)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یونس سے کوئی نہ کوئی تصور ضرور مسزود ہوا تھا جس پر انہیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچایا گیا، اور وہ تصور بے صبری کی نوعیت کا تھا، اور لامحالہ وہ فریضہ رسالت کی ادائیگی ہی کے سلسلے میں ہوا تھا۔ نیز ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس اپنی قوم سے ناراض ہو کر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنا مستقر رسالت چھوڑ گئے تھے، اسی وجہ سے ان کی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وہ خاص رعایت فرمائی جو کبھی کسی قوم کے ساتھ نہ فرمائی تھی، یعنی یہ کہ عذاب دیکھ لینے کے بعد جب وہ ایمان لائے تو اسے معاف کر دیا گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی یہ مستقل رحمت ہے کہ عذاب آنے دیکھ کر ایمان لانا کسی کے لیے نافع نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی بیان ہے، اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی میں نے اپنی طرف سے نہیں کی ہے۔ اب اس پر آپ کو یا کسو اور کو اعتراض ہو تو یہ اعتراض مجھ پر نہیں، قرآن اور اس کے بھیننے والے خدا پر ہے اور اس کا جواب اسی کے ذمہ ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ "کیا یہ مضمون موہم تنگ انبیاء نہیں ہے اس مفروضہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی عزت کا خیال آپ کو ان کے بھیننے والے خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر یہ بات

سلہ مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ ہے: "اور (شک دل میں) مچھلی (کے پیٹ میں) جانے والے (پیغمبر یونس علیہ السلام)

کی طرح نہ ہو جیے۔"

کہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ہے "اور وہ ہوتا ملامت کیا گیا"

نہیں ہے تو جو مضمون احمد نے خود اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اس کو موجب ہتک یا مہم ہتک قرار دینے کی اور کیا توجیہ آپ کر سکتے ہیں ؟

۳۳۔ اس مضمون کا حوالہ آپ نے غلط دیا ہے۔ اول تو اکتوبر نومبر ۱۹۵۵ء کا کوئی یکجائی نمبر شائع ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرے یہ مضمون نہ اکتوبر کے پرچے میں ہے نہ نومبر کے پرچے میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص سے آپ نے یہ اعتراض سن کر اپنی فرست میں درج فرمایا ہے اسے خود صحیح حوالہ معلوم نہ ہوگا۔ دراصل یہ مضمون رسائل و مسائل حصہ دوم میں صفحہ ۱۱۵ پر درج ہے۔ وہاں اس شبہ کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو نسخ کا مسئلہ سن کر ایک عام آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جن آیات کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ان کی قرآن میں اب کیا ضرورت ہے، کیوں نہ ان کی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی۔ اس کو رفع کرتے کے لیے میں نے قرآن میں ان احکام کے باقی رہنے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اگر معاشرے میں کبھی ہم کو پھر ان حالات سے سابقہ پیش آجائے جن میں وہ احکام دئے گئے تھے تو ہم ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی ملک میں مسلمان اس طرح کے حالات سے دوچار ہوں جو مکی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو پیش آئے تھے تو مکی دور کی تعلیم صبر و تحمل پر عمل کیا جائے گا نہ کہ مدنی دور کی تعلیم جہاد و قتال پر، حالانکہ بیشتر مفسرین نے احکام قتال سے مکی دور کی ان آیات کو منسوخ فرار دیا ہے۔ اسی طرح اس حالت میں مسلمان ان بہت سے احکام و قوانین کی پابندی سے معاف رکھے جائیں گے جو مدنی دور میں نازل ہوئے اور جن پر عمل در آنا اسلامی حکومت کی موجودگی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آپ کا یہ سوال کہ منسوخ شدہ احکام کو پھر سے مشروع کو نسا شارع کرے گا، تنہا میری طرف راجع نہیں ہوتا بلکہ ان تمام علماء کی طرف راجع ہوتا ہے جو ابھی چند سال پہلے تک انگریزی دور میں مکی آیات سے قومی طرز عمل کے لیے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور مدنی دور کے احکام جنگ اور حدود اللہ کے اجراء کو ملتوی قرار دیتے تھے۔

۳۴۔ آپ کے اس اعتراض کا جواب ترجمان القرآن کے اسی پرچے میں موجود ہے جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ اگر آپ نے ریح الاول ۱۹۵۵ء کا ترجمان ملاحظہ فرمایا تھا جیسا کہ آپ کے سوال سے

معلوم ہوتا ہے ، تو ضرور وہ جواب آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اس کے بعد یہ اعتراض دوبارہ کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ؟

اس سلسلہ میں جو سوالات آپ نے کیے ہیں ، اگرچہ ان سب کے جوابات ممکن ہیں ، لیکن میں اس بحث کو غیر ضروری سمجھتا ہوں اس لیے قصداً انہیں نظر انداز کرتا ہوں۔ آدم علیہ السلام جس جنت میں رکھے گئے تھے ، اس کی جائے وقوع کا مسئلہ اسلام میں کوئی بنیادی تو درکنار فروعی مسئلہ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص محض قرآن کو سمجھنے کی کوشش میں اس کے متعلق کسی خیال کا اظہار کرے تو زیادہ سے زیادہ اس سے اتنا ہی تعرض کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رائے کو آپ پسند کریں تو قبول کر لیں ، نہ پسند کریں تو رد کر دیں۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں ہر مسئلہ پہلے رد و کد اور بحث و مناظرہ کا موضوع بنتا ہے اور پھر ہی رد و کد اس کو ایک اعتقادی مسئلہ بنا کر رکھ دیتی ہے جس پر دو فرقی ایک دوسرے کے مقابلے میں صفا آرا ہو جاتے ہیں اور جب تک فریقین کے نکاح نہ ٹوٹ جائیں معاملہ ختم نہیں ہوتا۔ اس مصیبت سے نجات پانے کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ پہلے ہی مرحلہ پر سوال و جواب کا سلسلہ توڑ دیا جائے۔ آپ کا اطمینان جس بات پر نہیں ہوتا اسے آپ قطعاً ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کی عصمت بلاشبہ ایک بنیادی چیز ہے اور ہم ، آپ ، سب سے بڑھ کر ان کے بھیجے والے خدا نے اس امر کا اتمام فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد قائم ہو۔ لیکن اسی خدا نے اپنی کتاب پاک میں متعدد انبیاء کی ایسی لغزشوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر گرفت یا تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ وہی خدا اپنی کتاب میں ہم کو یہ اطمینان بھی دلاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو کبھی کسی چھوٹی سے چھوٹی لغزش پر بھی قائم نہیں رہنے دیا گیا ، بلکہ بروقت اس کی اصلاح کر دی گئی۔ یہ حقیقت اگر آپ کے پیش نظر ہو

۱۔ جن حضرات کو اس بحث کی تفصیل سے دلچسپی ہو وہ براہ کرم خود ہی تفسیر روح المعانی (ص ۱۳۱-۱۳۲) اور تفسیر المنار (ج ۱ ص ۲۷۷) میں اس کو نکال کر دیکھ لیں۔ وہاں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس مسئلے میں مفسرین کے کتنے اقوال ہیں ، اور یہ بھی کہ ہر قول کی دلیل کیا ہے۔

۲۔ یہی بات علمائے اصول نے بھی اپنی کتابوں میں بیان کی ہے کہ نبی سے لغزش اور اسے کی غلطی (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان لغزشوں کے ذکر سے حضرات انبیاء کے اعتماد میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہیں ہوتا، البتہ اس سے خدا اور بندے کا فرق اچھی طرح کھل جاتا ہے اور اس خطرے کا امکان باقی نہیں رہتا کہ ان برگزیدہ شخصیتوں کی طرف کوئی شخص الوہیت کی صفات منسوب کرنے لگے۔

(۶) اس اعتراض کا جواب دسمبر ۱۹۵۵ء کے ترجمان القرآن میں صفحہ ۲۸۰ پر دیا جا چکا ہے۔

(۷) اس بحث کو اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب اعلام الموقعین میں فصل فی تغییر الفتویٰ و اختلافہا بحسب تغییر لازمتہ و الامکنۃ و الاحوال و النیات و العوائد کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں انہوں نے احادیث و آثار سے بکثرت مثالیں اس امر کے ثبوت میں جمع کی ہیں کہ واقعات و حوادث پر اسلامی احکام کو آنکھیں بند کر کے چسپاں نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے زمانے اور مقام اور انخاص متعلقہ کے انفرادی حالات اور دوسری ایسی ہی چیزوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ آپ نے میری پیش کردہ جن مثالوں پر گرفت فرمائی ہے ان سب پر۔ اور ان کے علاوہ متعدد دوسری مثالوں پر بھی علامہ موصوف نے مفصل بحث کی ہے۔

(۸) قرآن مجید میں کسی جگہ بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس خیال کی تائید میں جو چیز پیش کی جا سکتی ہے وہ قرآن کا یہ ارشاد ہے کہ خَلَقْنَا مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ دَخَلْنَا مِنْهَا نِسَاءَ الْاِنْسَانِ (۱) اور جَعَلْنَا مِنْهَا ذُرِّيَّتَهُمْ (۲) لیکن ان دونوں آیتوں میں منہا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اسی نفس سے اس کا جوڑا بنایا، اور یہ بھی کہ اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔ ان دونوں میں سے کسی معنی کو بھی تخریج دینے کے لیے کوئی دلیل قرآن کی ان آیتوں میں نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کی بعض دوسری آیتیں تو دوسرے معنی کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ روم میں فرمایا وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقْنَا نَكْرًا مِمَّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (رکوع ۳) اور سورہ شوریٰ میں فرمایا وَجَعَلْنَا نَكْرًا مِمَّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (رکوع ۲) یہی مضمون

صادر ہو سکتی ہے، البتہ اس کا لغزش اور غلطی پر قائم رہ جانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح

کا ذمہ لیا ہے۔ ملاحظہ ہو اصول الرشیدی جلد اول صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳،

سورہ نحل رکوع ۱۰ میں بھی آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان نینوں آیتوں میں من النفسکد کے معنی من جنسکم ہی لیے جائیں گے، نہ یہ کہ تمام انسانوں کی بیویاں ان کی پسلیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اب اگر پہلے معنی کو ترجیح دینے کے لیے کوئی بنیاد مل سکتی ہے تو وہ حضرت ابوہریرہ کی وہ روایات ہیں جو بخاری و مسلم نے نقل کی ہیں۔ مگر ان کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں کہ:

المراة کا بضع ان اقمتهما کسرتھا عورت پسلی کے مانند ہے، اگر تو اسے سیدھا کرے گا تو وان استمتعت بها استمتعت بها۔ توڑ دے گا اور اگر اس سے فائدہ اٹھائے گا تو اس کے اندر فیہا عوج کچی باقی رہتے ہوئے ہی فائدہ اٹھا سکے گا۔

اور دوسری روایت میں انہوں نے حضور کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن عورتوں کے معاملے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو کیونکہ من خلیع وان اعوج شیئی فی البضع اعلاہ وہ پسلی سے پیدا ہوتی ہیں، اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ فان ذہبت لقیمتہ کسوفہ وان ترکتہ اس کا بالائی حصہ ہوتا ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنے کی کوشش نہ دیناں اعوج فاستوصوا بالنساء خیراً کرے تو اس کو توڑ دے گا اور اگر چھوڑ دے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہذا عورتوں کے معاملے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو

ان دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث تو عورت کو پسلی کے محض تشبیہ دے رہی ہے، اس میں سرے سے یہ ذکر ہی نہیں ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوتی ہے۔ البتہ دوسری حدیث میں پسلی سے پیدائش کی تصریح ہے، لیکن یہ امر لائق غور ہے کہ اس میں حضرت حواء، یا پہلی عورت، یا ایک عورت کی نہیں بلکہ تمام عورتوں کی پیدائش پسلی ہی سے بیان کی گئی ہے۔ کیا فی الواقع دنیا کی تمام عورتیں پسلیوں

سے یہ الفاظ بخاری، کتاب النکاح وافی روایت کے ہیں۔ دوسری روایت جو امام بخاری نے کتاب احادیث الانبیاء میں نقل کی ہے اس کے الفاظ میں فان المراة خلقت من جملتہ کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اس صورت میں المراة سے مراد ہر عورت، اور عورتوں کی پوری صنف ہوگی نہ کہ وہ ایک خاص عورت جو دنیا میں سب سے پہلی پیدا کی گئی (باقی اگلے صفحہ پر)

ہی سے پیدا ہوا کرتی ہیں ؟ اگر یہ بات نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے ، تو ماننا پڑے گا کہ یہاں خَلِقَتْ مِنْ صَلْبِ كَيْسٍ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی یا بنائی گئی ہیں ، بلکہ اس معنی میں ہے کہ ان کی ساخت میں پسلی کی سی کجی ہے ۔ اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نَجَلٍ ۔ اس کے معنی بھی یہ نہیں ہیں کہ انسان جلد بادی سے پیدا کیا گیا ہے ، بلکہ یہ ہیں کہ انسان کی سرشت میں جلد بادی ہے ۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پسلی سے حضرت حماد کی پیدائش کا خیال قرآن ہی میں نہیں حدیث میں بھی کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ روایت نقل ہو کر مسلمانوں میں شائع ہوئی اور بڑے بڑے لوگوں نے اسے نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنی کتابوں میں بھی ثبت کر دیا ۔ مگر کیا یہ صحیح ہے کہ اسناد اور رسول کی سند کے بغیر محض بڑے لوگوں کے اقوال کی بنا پر اسے ایک اسلامی عقیدہ بھیج دیا جائے اور جو کوئی اس پر ایمان نہ لائے اسے گمراہ قرار دیا جائے ؟

(۹) رفع طور کے بارے میں جو کچھ میں نے تفہیم القرآن جلد اول میں صفحہ ۳۴ پر اور جلد دوم میں صفحہ ۹۵ پر ترجمہ و تشریح میں لکھا ہے اس کو پھر غور سے پڑھیے ۔ اس میں کہیں بھی پہاڑ کے اٹھائے جانے سے انکار نہیں ہے ۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ اس اٹھائے جانے کی تفصیل کیفیت متعین کرنا مشکل ہے ۔ پہاڑ کے اٹھائے جانے کی ایک صورت یہ ہے کہ پورا پہاڑ زمین سے نکال کر اوپر اٹھا لیا جائے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہاڑ کی چوٹی اکھاڑ کر اسے ایک جانب اس طرح جھکا دیا جائے کہ وہ اپنے دامن میں کھڑے ہوئے لوگوں پر چھا جائے اور انہیں یوں محسوس ہوگا گویا اب وہ ان پر اوندھ جائے گا ۔ سورہ بقرہ کے الفاظ رَفَعْنَا نُوْقُدَّسَ سے پہلا مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے ۔ اور سورہ اعراف کے الفاظ فَتَقْتَنَّا الْجِبَلَ نُوْقُهُمْ كَانَهُ ظِلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ دوسرے مفہوم کی طرف ذہن کو لے جاتے ہیں ۔ فتق کے معنی کسی چیز کو اکھاڑنے اور بچھڑانے کے ہیں ۔ قاموس میں ہے فَتَقَدَّ ، زَعَزَعًا وَنَقْضًا ۔

(بقیہ حاشیہ) اس سلسلے میں یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سائن نے بخاری کے حوالہ سے خلقت من صلح آدم کے الفاظ نقل کیے ہیں ، حالانکہ بخاری میں کسی جگہ بھی یہ الفاظ نہیں آئے ہیں ۔

مفروات امام راغب میں ہے متفق الشيء جذبہ ذموعہ حتی لیسترجی۔ اساس البلاغہ میں ہے متفق البعیر الرجل، ذموعہ و متفق اللہ النجیل دفعہ مزعزعاً فوقہم۔ اسی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ واقعہ کی ان دونوں ممکن صورتوں میں سے کسی ایک کی تعیین جزم کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان دونوں صورتوں کو یکساں ممکن تسلیم کرتا ہو اور کسی ایک کی تعیین میں توقف کرے تو وہ آخر کس جرم کا مرتکب ہے جس پر اتنی لمبے دے کی جاسے؟ اس پر مزید قابل افسوس بات یہ ہے کہ لوگ جس چیز پر لمبے دے کرتے ہیں اس کو میری اصل کتاب میں نکال کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں اٹھاتے اور محض سنی سنائی روایات پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کا یہ فقرہ کہ "کیا وجہ ہے ایک متفق علیہ مسئلہ کو محمل کہہ کر مشتبہ بنایا جاوے پھر الفاظ بھی ایسے ٹوکد کہ قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت، صاف عجازی کر رہا ہے کہ آپ نے تفہیم القرآن کی وہ عبارت خود نکال کر نہیں پڑھی جس پر آپ نے اس قدر شدت کے ساتھ گرفت فرمائی ہے، کیونکہ اس میں کہیں یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ یہ محمل مفہوم جو میں بیان کر رہا ہوں یہ قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اس غیر محتاط طریق گرفت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ آپ اپنی تفسیر رفح کے حق میں بے تکلف بائبل کا حوالہ دے رہے ہیں، حالانکہ اس واقعہ کے متعلق بائبل کی عبارت میں لے تفہیم القرآن جلد دوم میں صفحہ ۹۵ پر لفظ بلفظ نقل کر دی ہے اور وہ آپ کے بیان کے بالکل خلاف ہے۔ رہی تلمود، تو اگر وہ آپ کی نظر سے گزری ہو تو براہ کرم اس کی عبارت کا حوالہ مجھے ضرور بھیج دیں۔

(۱۰) آپ نے اس سوال میں بھی میری پوری بات نقل نہیں کی ہے بلکہ اس میں سے صرف ایک ٹکڑا نکال لیا ہے۔ براہ کرم میری پوری عبارت جو برصائیل و مسائل جلد اول میں صفحہ ۶۶ سے ۶۸ تک ہے بغور پڑھیے، اور اس کے بعد فقہ حنفی کے نامور امام شمس الائمہ سرخسی کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اصول السرخسی میں اسی موضوع کے متعلق لکھی ہیں۔ شاید کہ اس کے بعد آپ کو اطمینان ہو جائے کہ جو اصولی بات میں نے لکھی ہے وہ میری اپنی گھڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ سلف سے مسلم صلی آری ہے۔ امام موصوف غیر واحد کے متعلق لکھتے ہیں :

خبر واحد علم یقین کی موجب نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں راوی کی غلطی کا احتمال ہوتا ہے البتہ وہ راوی کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر اور اس بنا پر کہ اس کی عدالت کا حال معلوم ہونے کی وجہ سے اس کے صدق کا پہلو راجح ہو جاتا ہے، ایک ایسی دلیل ضرور قرار پاتی ہے جس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ پس اس قسم کی خبر کا حکم اس کی دلیل کی طاقت کے لحاظ سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی دلیل موجب علم یقین نہیں ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس کی دلیل موجب عمل ہے، لہذا اس کا منکر اگر تاویل کی بنا پر انکار نہیں کرتا بلکہ بجائے خود خبر واحد ہی کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو اسے گمراہ قرار دیا جائے گا، لیکن اگر وہ خبر واحد کے مطابق عمل کرنے کو واجب مانتے ہوئے تاویل کی بنا پر کسی خبر کو رو کرے تو اسے گمراہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (جلد اول صفحہ ۱۱۲)

پھر وہ خبر متواتر کے متعلق ذرا تر ہیں :

اس کی تعریف یہ ہے کہ اسے اتنے کثیر التعداد لوگوں نے نقل کیا ہو کہ اتنے بہت سے آدمیوں اور مختلف علاقوں کے رہنے والے آدمیوں کے کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانے کا تصور نہ کیا جاسکتا ہو، اور ان کی یہ کثرت ہمارے زمانے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصلاً ہر وقت میں پائی جاتی ہو۔ نمازوں کی تعداد، ادغاز کی رکعات کی تعداد، اور زکوٰۃ اور خیرات کی مقداریں اور ایسی دوسری خبریں اس کی مثال ہیں۔ پس جب مختلف علاقوں کے رہنے والے راویوں کی کثرت تعداد کو دیکھتے ہوئے ہمتِ اختراع کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی ہو تو اس طرح کی خبر گمراہی یا ایسی ہے جیسے ہم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سن رہے ہیں، اور یہ چیز جمہور فقہاء کے نزدیک موجب علم یقین ہے۔

(جلد اول صفحہ ۲۸۲-۲۸۳)

اس کے بعد وہ اس خبر کو لیتے ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو اخبار آحاد کی قسم میں داخل ہے لیکن بہت سی روایتوں میں ایک مشترک معنی پاتے جانے کی وجہ سے وہ مشترک معنی تو دائرے کے درجے میں آ گیا ہو۔ اصطلاح میں ایسی خبر کو خبر مشہور کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں علماء کے اختلافات کا ذکر

کرنے کے بعد امام سرخسی جس قول کو ترجیح دیتے ہیں وہ یہ ہے :

عیسیٰ بن ابان رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس قسم کی خبریں تین اقسام پر منقسم ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا انکار کرنے والے کو گمراہ کہا جاسکتا ہے مگر کافر نہیں کہا جاسکتا، مثلاً وہ خبر جو، کی رو سے زانی محسن کی سزا و جرم ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے منکر کو گمراہ نہیں کہا جاسکتا البتہ خطا کار کہا جاسکتا ہے اور یہ اندیشہ ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ وہ گناہ گار ہو، مثلاً مسیح علیٰ الخفین کی خبر، اور ایک ہی جنس کے دست بدست لین دین میں نفاصل کے حرام ہونے کی خبر۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کے منکر کے گناہ گار ہونے کا خطرہ تو نہیں ہے مگر اس کی رائے کو غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے اور اس قسم میں باب احکام کی وہ بہت سی خبریں داخل ہیں جن کے قبول اور رد کرنے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں" (جلد اول صفحہ ۲۹۳)

اس بحث کو آپ غور سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مدارِ کفر و ایمان اگر ہو سکتے ہیں تو صرف وہ امور ہو سکتے ہیں جو کسی یقینی ذریعہ علم سے ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہوں، اور وہ ذریعہ یا تو قرآن ہے یا پھر نقل متواتر جس کی شرائط امام سرخسی نے واضح طور پر بیان کر دی ہیں۔ باقی جو چیزیں اخبار آحاد یا روایات مشہورہ سے نقل ہوئی ہوں وہ اپنی اپنی دلیل کی قوت کے مطابق اہمیت رکھتی ہیں، مگر ان میں سے کسی کی بھی یہ اہمیت نہیں ہے کہ اسے ایمانیات میں داخل کر دیا جائے اور اس کے نہ ماننے والے کو کافر ٹھہرایا جائے۔ مہدی کے متعلق جو روایات احادیث میں آئی ہیں ان کو اگر محدثانہ طریق پر جانچا جائے تو ان کا وہ مرتبہ بھی نہیں ٹھہرتا جو مسیح علیٰ الخفین اور ربو الفضل کی روایات کا ہے۔

(۱۱) آپ کا یہ اعتراض میرے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ترجمان القرآن ماہ نومبر ۱۹۵۷ء میں میری وہ بحث پوری طرح پڑھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی جس پر آپ اعتراض فرما رہے ہیں۔ بخاری کی جس حدیث کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس کی تاویل

میں نے پوری وضاحت کے ساتھ اپنے فقرہ نمبر ۶ میں کی ہے جو مذکورہ بالا رسالے میں صفحہ ۵۸ پر درج ہے۔ اسے پڑھ کر دیکھیے، پھر بتائیے کہ اس اعتراض کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے جو آپ نے کیا ہے؟ رہا فاروق اعظم کی تقریر کا معاملہ تو اس پر میں نے خود اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے۔ ہدایہ کے مشہور شارح علامہ ابن ہمام کی جو عبارت مشہور مفسر قرآن علامہ آلوسی نے روح المعانی میں نقل کی تھی اس کا صرف ترجمہ کر دیا ہے۔ لیکن آپ کے نزدیک قصور پھر بھی میں ہی رہا، ان دونوں بزرگوں کو خطاب کر کے آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے مزید اطمینان کے لیے عرض کرنا ہوں کہ اسی خطبے میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ واللہ حی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او صان الجمل اذ الاعتراف کتاب اللہ میں رحم حق ہے اس مرد و عورت پر جو احصان کے بعد زنا کرے جب کہ اس پر یا تو شہادت قائم ہو جائے، یا حمل پایا جائے یا وہ خود اعتراف کرے۔ اس خطبے کا یہ ٹکڑا کہ حمل بجائے خود سزائے رحم کے لیے کافی ثبوت ہے، جمہور فقہاء نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ علامہ شوکانی میل الاوطار میں اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

”جمہور اس طرف گئے ہیں کہ مجرد حمل سے حد ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے یا تو شہادت بنا ہونی ضروری ہے یا پھر اعتراف، اور اس رائے کے حق میں وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو شہادت میں حد جاری کرنے سے منع کرتی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حضرتؓ کا قول ہے اور اس کی دلیل پر اتنا بڑا حکم ثابت نہیں ہو سکتا جو ہلاکِ نفوس تک ذمیت پہنچاتا ہو۔ یہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے یہ مثلہ صحابہ کرام کے مجمع میں بیان کیا تھا اور اس پر کسی نے انکار نہ کیا، تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ سامعین کے انکار نہ کرنے سے اجماع لازم نہیں آتا۔“ (ج ۷، صفحہ ۸۸)

(۱۷۱) آپ کا یہ اعتراض دراصل اعتراض نہیں بلکہ صریح بتانا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی آپ نے میری اصل تحریر پر پڑھ کر بغیر محض سنی سنائی تہمتوں پر یقین کر کے اپنے اعتراض نامے میں درج

کردی۔ حضرت صدیق کی بندش کفالتِ مسطح کا قصہ ربیع الثانی ۱۵ھ کے ترجمان میں، جس کا آپ حوالہ دے رہے ہیں، سرے سے درج ہی نہیں ہے۔ اس کا ذکر جادی الاولیٰ ۱۵ھ کے ترجمان میں آیا ہے اور اس کے اندر میں نے کہیں اشارۃً لئلا یثبتہ بھی یہ بات نہیں لکھی ہے کہ حضرت صدیق کا یہ فعل غیر اسلامی حمیت پر مبنی تھا۔ آپ مذکورہ بالا رسالے میں صفحہ ۳۰۷ کی پوری عبارت پڑھ کر تبائیں کہ یہ بات کہاں لکھی گئی ہے؟ پھر اس میں یہ کہاں لکھا گیا ہے کہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب ہوا اور وغیر فرمائی گئی؟

اسی اعتراض کے سلسلے میں آپ ربیع الاول ۱۵ھ کے ترجمان کا حوالہ دے کر ایک اور عبارت کا ذکر فرماتے ہیں جو حضرت عمرؓ سے متعلق ہے، مگر ربیع الاول کا ترجمان اس قسم کے بہر لفظ خالی ہے۔ براہ کرم آپ پھر پڑھ کر تبائیے کہ یہ عبارت میری کس تحریر میں آپ کو ملی ہے۔ آپ تو صحابہ کرام کی محبت کا ذکر فرماتے ہیں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے آدمی کے دل میں خدا کا خوف ہونا چاہیے۔

(۱۳) میں نے کبھی نہ اپنے آپ کو معصوم عن الخطا سمجھا نہ کہا۔ میں نہ صرف اپنے اوپر اور اپنی بہرات پر تنقید کو جائز سمجھتا ہوں بلکہ خود اس کی دعوت دیتا ہوں اور اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ میری ہی نہیں جماعتِ اسلامی کے کسی شخص کی بھی کسی عبارت کا ایک لفظ اس الزام کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکتے کہ ہم اسلام کی تعبیر کا حق سر نہ اپنے لیے مخصوص کرتے ہیں، یا اپنے آپ کو تنقید سے بالا تر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر آپ براہ مانیں تو میں صاف کہوں کہ آپ نے اس منبر میں جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر تعصب کی بنا پر لکھا ہے۔ جو حضرات میرے اوپر طرح طرح کے بہتان لگاتے ہیں، میری عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان کو غلط معنی پہناتے ہیں، اور بدترین قسم کے جھوٹے الزامات لگا کر نہ صرف تفسیل و تکفیر کے فتوے جڑتے ہیں بلکہ جگہ جگہ تقریروں اور انٹہاروں کے ذریعہ سے میرے خلاف عوام کو بھڑکاتے بھی پھرتے ہیں، وہ تو آپ کے نزدیک صرف تنقید کرنے والے ہیں اور ان کا یہ فعل کسی درجے میں بھی آپ کو قابلِ اعتراض یا قابلِ شکایت نظر نہیں آتا۔ البتہ ہزاروں زیادتیوں

صبر کرنے کے بعد اگر کبھی جماعت اسلامی کے کسی شخص کی زبان و قلم سے کوئی ایک لفظ ان کی تردید میں نکل جاتا ہے تو وہ آپ کو طعن نظر آتا ہے اور اس کی آپ شکایت فرماتے ہیں۔

(۱۴) تنقید کا لفظ جس معنی میں آپ نے اپنے اعتراض نمبر ۱۳ میں استعمال فرمایا ہے اس معنی میں تو صحابہ کرام کجا، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کے انسان پر بھی تنقید کرنا میرے نزدیک سخت گناہ ہے۔ البتہ تنقید کے جو معنی اہل علم میں معلوم و معروف ہیں ان میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے سوا کسی انسان کو بھی میں تنقید سے بالاتر نہیں مانتا۔ کسی صحابی کا قول یا فعل بھی محض اپنے قائل و فاعل کی شخصیت کی بنا پر حجت نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل دیکھ کر رائے قائم کی جائے گی کہ آیا اسے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ دلیل کے لحاظ سے کسی بات کو جانچنے کا نام ہی تنقید ہے اور یہ تنقید مجھے نہیں معلوم کہ کس زمانے میں ناجائز رہی ہے۔ فقہ کے بیشتر مسائل میں مختلف صحابہ کے مختلف قولی اور عملی آثار پائے جاتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین نے دلیل کی بنا پر ان میں سے کسی کو قبول اور کسی کو رد کیا ہے۔ آپ فقہ کی مبدوط کتابوں میں سے جس کو چاہیں اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو اس تنقید کی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی۔ کیا وہ سب لوگ آپ کے نزدیک گناہ گارتھے جنہوں نے صحابہ کے مختلف اقوال و افعال میں اس طرح تنقیدی محاکمہ کیا ہے صحابی کا لہجہ والی حدیث کا اگر آپ نے یہ مطلب لیا ہے کہ ہر صحابی کا ہر قول و فعل واجب الاتباع ہے تو سلف و خلف میں کوئی صاحب علم بھی مجھ کو اس کا قائل نہیں ملا۔ آپ کو ملا ہو تو اس کا نام مجھے بھی بتائیں۔ البتہ ساری امت اپنے دین کے ہر مسئلے میں ہر حال کسی نہ کسی صحابی کے ذریعہ ہی سے رہنمائی حاصل کرتی رہی ہے اور یہی اس حدیث کا منشا ہے۔